نذرِ نظیر

پروفیسر ظہور احمد اعوان ایم۔اے

یونیورسٹی بک ایجنسی
خیبر بازار۔ پشاور

اپنے مشفق استاد

طاہر فاروقی کے نام

جن کی محنت و کاوش نے

آج اس قابل بنایا کہ

چند سطریں لکھ سکوں

فہرست

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱	نذرِ نظیر	۵
۲	الٰہی نامہ	۸۱
۳	آدمی نامہ	۸۶
۴	فنا نامہ	۹۳
۵	فنا نامہ	۹۷
۶	کلجگ	۱۰۳
۷	مفلسی	۱۰۸
۸	دوالی	۱۲۰
۹	موسمِ زمستان	۱۲۳
۱۰	روٹی نامہ	۱۲۶
۱۱	بھونچال	۱۳۲
۱۲	جوانی اور بڑھاپے کی لڑائی	۱۳۹
۱۳	بنجارہ نامہ	۱۴۷
۱۴	ہنس نامہ	۱۵۱

(منظور عام پریس پشاور)

نذرِ نظیر

یوں تو تمام کاملینِ فن، علماء، ادبا اور شعرا کے ساتھ یہ ستم ظریفی رہی ہے کہ ان کی قدر ان کے زمانے میں بہت کم ہوئی۔ اور تقریباً تمام ہی بڑے بڑے فنکار اپنی کم وقعتی کا رونا روتے روتے مر گئے۔ حکیم بقراط کو زمانے نے زہر کا پیالہ پیش کیا۔ شیکسپیئر کو اس کے زمانے میں اس وقعت و وقر کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا جو اسے آج حاصل ہے۔ اور غالب بیچارے کو تو تمام عمر اپنی بے قدری کا احساس رہا اور وہ یہی کہتا رہا۔

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

مگر ان کے مرنے کے بعد زمانہ ان کو پہچانتا ہے اور شہرت و مقبولیت کا تاج پہنا کر عزت افزائی کرتا ہے۔ اسی چیز کو ایک شاعر نے بھی محسوس کیا ہے۔

اس کو بے مہری عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

مگر اردو ادب میں ایک ایسے شاعر بھی ہیں جن کو نہ تو ان کی زندگی میں اور نہ ہی

ان کے مرنے کے بعد زمانے نے بہت یاد کیا اور نہ ہی کبھی عزت و وقار کی نظروں سے دیکھا اور یہ اُردو کے منفرد شاعر نظیر اکبر آبادی ہیں۔

نظیر کے بارے میں نہ صرف ناقدانِ فن بلکہ عام لوگوں میں بھی بہت متضاد قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری اور شخصیت ایک معمہ ہے۔ بعض لوگ انہیں آوارہ، اوباش، بداطوار اور پوچ گو کہتے ہیں۔ اور بعض انہیں فن و فکر اور شعر و ادب کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز کرتے ہیں۔ بعض ان کا ڈانڈا شکسپیئر، ورڈ زورتھ، کبیر اور میر سے ملاتے ہیں اور بعض انہیں شاعروں کی صف سے ہی خارج کرتے ہیں۔ قدیم تذکرہ نگاروں نے تو نظیر کا ذکر کرنا ہی گوارا نہیں کیا۔ محمد حسین آزاد جیسے سخن سنج اور جدید شاعری کے علمبردار بھی اپنی مشہور کتاب آبِ حیات میں نظیر کو صاف نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اس لئے نظیر کے حالاتِ زندگی پر بہت کم روشنی پڑتی ہے۔ صرف ایک تذکرہ نگار نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے اپنے تذکرے گلشن بے خار" میں نظیر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"گویند نظیر در علم و خلق و انکسار بے نظیر روزگار است۔ اشعار بسیار دارد کہ بر زبان سوقیین جاریست و نظر بآں ابیات در اعداد شعرا نشایدش شمرد۔ اما بر رعایت ابیات منتخب قطع نظر کردہ شدہ"

اس کے جواب میں نظیر کے ایک شاگرد قطب الدین باطن نے ایک تذکرہ (گلستان بے خزاں) لکھا جس میں انہوں نے نظیر کی تعریف کے وہ پل باندھے ہیں کہ بڑے بڑے قصیدے کو شرما دیا ہے۔ اس میں نظیر کی شاعری پر کسی قسم کا تنقیدی تبصرہ نہیں۔ صرف مخالفین نظیر پر انتہام باندھے گئے ہیں اور نظیر کو اردو کا بہترین شاعر

قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر نیلن لغت انگریزی میں نظیر کے حال میں یوں رقمطراز ہیں:

"صرف یہی ایک شاعر ہے جس کی شاعری اہلِ فرنگ کے نصاب کے مطابق سچی شاعری ہے۔ مگر ہندوستان کی لفظ پرستی اس کو سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتی۔ جس قسم کے شاعرانہ خیالات اس نے معمولی چیزوں میں پیدا کئے ہیں ان پر دوسرے ہندوستانی شعرا نے لکھنا یا تو کسرِ شان سمجھا یا ان کے لکھنے کی قابلیت ان میں تھی ہی نہیں۔"

اس کے برعکس قدرت اللہ قاسم تذکرہ مجموعہ نغز میں صرف "شاعرے ہست دیرینہ مشق" کہہ کر نظیر کے کلام کے متعلق کوئی رائے زنی نہیں کی۔

غرض ہر دور میں نظیر کے متعلق متضاد خیالات متوازی چلتے رہے اور آج تک نظیر کے مرتبے کی تعیین کا کام نہ ہو سکا۔ دراصل شعری روایت کے اس یک رنگی اور یکسانی کے دور میں نظیر کی حیثیت ہموار فرش میں ابھری ہوئی اکلوتی اینٹ کی ہے۔ جس پر سے گذرنے والے یا تو ٹھوکر کھا جاتے ہیں یا شعوری طور پر پھلانگ کر گذر جاتے ہیں۔

نظیر کا اصل نام سید محمد ولی اور تخلص نظیر تھا۔ نظیر کی سن ولادت کے متعلق قطعیت سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مگر نظیر کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے نقاد اور محقق پروفیسر شہباز کی بیس سالہ تحقیق کے نتیجہ کے طور پر ۱۷۳۵ء کا سال تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ اکثر نقادوں کی آرا بھی اس سن کے حق میں ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے دیوانِ نظیر کے دیباچے اور مولانا عبدالمومن فاروقی نے کلیاتِ

نظیر کے مقدمے میں اس کو تسلیم کیا ہے۔ ان کے والد کا نام سید محمد فاروق تھا جو نوری دروازہ آگرہ میں رہا کرتے تھے۔ نظیر کی سن ولادت کے علاوہ نظیر کی جائے پیدائش کے بارے میں نقادوں میں اتفاق نہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور کچھ لوگ اس کے برعکس آگرہ بتلاتے ہیں۔ پروفیسر تنہا زنے "زندگانی بے نظیر" میں ان کی جائے پیدائش دہلی بتاتی ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ نظیر بائیس تیئس سال کی عمر میں نادر شاہ درانی اور احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں کی تاب نہ لاکر دہلی سے آگرہ کوچ کر گئے۔ مگر مجھے اس سے اتفاق نہیں ولی کے کلام کے دہلی پہنچنے کے بعد دہلی میں اردو شاعری کی شمع پوری طرح روشن ہو گئی۔ اور دہلی شاعروں کا مرکز بن گیا تھا۔ شعر و ادب کے اتنے چرچوں، مشاعروں کی اتنی کثرت اور شعرا کی اتنی قدردانی کے دور میں نظیر جیسے فطری شاعر کا خاموش رہنا حیرت انگیز بات ہے۔ کسی شعری روایت سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہونے کے لئے زندگی کے چند ابتدائی سال نہایت اہم ہوتے ہیں۔ مگر نظیر کی شاعری فنی اور فکری دونوں پہلوؤں سے مکمل طور پر دہلویت سے غیر متاثر نظر آتی ہے۔ روزمرہ، محاورہ اور زبان کی ساخت و تشکیل کے یہی ابتدائی سال ہوتے ہیں۔ اس عرصے میں شاعر یا فنکار جو کچھ بن جائے وہی اسکی اصلی (ORIGINAL) حیثیت ہوتی ہے۔ ہیولیٰ اس عرصے میں تیار ہوتا ہے۔ بعد کے سالوں میں صرف اس ہیولے پر گوشت پوست چڑھتا ہے۔ مگر نظیر کی شاعری کا ہیولیٰ دہلوی شاعری سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے علاوہ انسان زندگی کے ابتدائی سال جہاں گزارتا ہے۔ اس جگہ سے اسکو فطری، جذباتی اور ذہنی وابستگی سی ہو جاتی ہے۔ وہ زندگی کے کسی حصے میں اور دنیا کے جس خطے میں جائے۔ اس جگہ کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ ہندوستان میں رہتے ہوئے ہندوستان سے بہت دور رہتا ہے اکثر شعرا کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں

ولی گجرات میں چند سال گذارنے کے بعد اسے نہ بھول سکا۔ اگرچہ وہ وہاں پیدا نہ ہوا تھا۔ گجرات کی تعریف میں ایک نظم لکھنے پر اسے گجراتی بنا دیا گیا۔ اسی طرح میر امن اپنے آپ کو دلی کا روڑا ہی کہتا رہا۔ میر، غالب، مومن، حسرت اور فانی وغیرہ کے اشعار ہماری نظر میں ہیں۔ وہ اس عارضی جدائی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ تو یہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ نظیر اتنی عمر گزارنے کے بعد جب اس کس مپرسی کی حالت میں اپنا مال متاع، زر، زمین چھوڑ کر دہلی سے آگرہ پہونچے۔ تو ان کے لب سے اس سانحہ جاں گداز پر کوئی نوحہ نہ نکلا ہوگا۔ وہ اس دہلی کو کبھی یاد نہ کرتے ہونگے جہاں اس کے شباب کا آغاز ہوا۔ مگر نظیر کا کلام اس سلسلے میں بالکل خاموش ہے۔ آگرے کی تعریف، آگرہ کے لٹنے اور آگرہ کے انقلابات کے ذکر سے ان کا کلام بھرا ہوا ہے۔ مگر اس لٹی ہوئی دہلی کے لئے ان کی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہ تھا۔ ہم نظیر کو اتنا بے حس تسلیم نہیں کر سکتے۔ مگر وجہ یہی ہے کہ وہ دہلی میں رہے ہی نہیں۔ میں اس فیصلے پر اپنے اس خود ساختہ منطق اور استدلال کی وجہ سے مصر نہیں ہوں بلکہ نظیر کی شاعری کی روح کے تضاد کی وجہ سے ایسا کہنے پر مجبور ہوں۔ بہرکیف نظیر آگرہ کے قصبے تاج گنج میں مقیم تھے۔ نظیر سے قبل ان کے تقریباً بارہ بہن بھائی بچپنے میں فوت ہو چکے تھے اور نظیر بڑی تمناؤں اور دعاؤں کے بعد زندہ بچے تھے۔ ماں باپ نے نظر بد سے بچانے کے لئے ان کے ناک کان چھدوا کر بالکل لڑکی بنا دیا تھا۔ اس طرح ان کی پرورش بڑے ناز و نعم سے ہوئی تھی اور تمام عزیز و اقارب ان پر اپنی جان چھڑکتے تھے۔

نظیر نے ہوش سنبھالا تو مولوی محمد اعظم اور ملا دلی محمد شارح مثنوی معنوی کی درسگاہوں سے فیض یاب ہونے لگے۔ انہوں نے کسب فیض کس حد تک کیا۔ اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی تعلیم بڑی سطحی اور محدود تھی اس کے برعکس

بعض انہیں علوم و فنون میں یکتا خیال کرتے ہیں۔ فرحت اللہ بیگ مقدمہ دیوان غزلیات فرماتے ہیں

"علمی قابلیت یہ تھی کہ آٹھ زبانیں عربی، فارسی، اردو، پنجابی، بھاشا، مارواڑی، پوربی اور ہندی وغیرہ جانتے تھے۔ اور ایسی جانتے تھے کہ اس میں شعر کہتے تھے۔ علم ہئیت پر عبور تھا۔ طب میں دخل تھا اور معنی و بیان میں اچھی معلومات تھیں"

اس اقتباس کے تجزئیے کی گنجائش تو نہیں۔ مگر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ نظیر کے کلام میں ایسی لسانی غلطیاں بھی موجود ہیں۔ جن کی کوئی توجیہہ نہیں ہو سکتی۔ فارسی و عربی پر تبحر رکھنے والا ایسی غلطیاں نہیں کر سکتا۔ ایسی اغلاط کی مکمل فہرست سیماب اکبر آبادی نے اپنے ایک مضمون میں دی ہے۔ مثلاً اضافت کا غلط استعمال (استعال پھول) اضافت سے لاپرواہی (گلستان تماشہ نہ لعت پریشان تماشہ = بہ اعلان نون بغیر اضافت) اسی طرح ناقۂ سوار بجائے ناقہ سوار وغیرہ۔ مولانا عبدالمومن فاروقی نے کلیاتِ نظیر کے دیباچے میں نظیر کے کہے ہوئے عربی شعر میں بھی سقم بتایا ہے۔

پروفیسر شہباز کی تحقیقات کے مطابق ان کی تعلیم کا نقشہ یہ ہے۔

"یوں بسم اللہ ہوئی۔ یوں انہوں نے ماہ ڈیڑھ ماہ میں بغدادی قاعدہ ختم کر لیا۔ استاد کو قاعدہ ختم کرائی پر انعام ملا۔ پھر پارۂ عم شروع ہوتے وقت فاتحہ ہوا۔ مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد شیخ سعدی کی کریما شروع کرائی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی ہونہار بچے کی موزونیت اور روانی طبع کے جوہر کھلتے گئے۔ فارسی کی دوسری ابتدائی کتابوں خالق باری۔ آمد نامہ، محمود نامہ، عطائی نامہ کا نمبر اس کے بعد آیا پھر گلستاں بوستان سکندر نامہ

انشائے خلیفہ طاہر وحید، انشائے منیر، یوسف زلیخا، ابوالفضل اسد نثر ظہوری، قصائد عرفی، خاقانی ختم کرائی گئیں۔ عربی تعلیم یونہی سی رہی۔"

اس سلسلے میں نظیر کی اپنی ایک نظم قابل ذکر ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی تعلیم پیشے حلیے، خط و خال اور عادات و خصائل کے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔ جسے جھوٹ ماننے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں۔

کہتے ہیں جس کو نظیر سنیئے ٹک اسکا بیاں — تھا وہ معلم، غریب، بزدل، ترسندہ جاں
کوئی کتاب اس کے تئیں صاف نہ تھی درس کی — آئے تو معنی کہے ورنہ پڑھائی رواں
فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے لیے — فارسی میں ہاں مگر سمجھے تھا کچھ ایں آں
لکھنے کی یہ طرز تھی۔ کچھ جو لکھے تھا کبھی — پختگی و خامی کے اسکا تھا خط درمیاں

ان تفصیلات و اقتباسات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ فارسی کے معلم تھے اس لئے فارسی پر تو پوری قدرت حاصل تھی۔ البتہ عربی پر کچھ زیادہ عبور حاصل نہ تھا، ہندی زبان و بیان پر قدرت نہ تھی۔ ہندی ادب و تہذیب سے ضرور پوری طرح واقفیت رکھتے تھے اسی چیز کی وضاحت ان کے کلام سے بھی ہو جاتی ہے۔

میاں نظیر کی طبیعت چنچلی تھی۔ مزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہی تھا۔ جوانی آئی اور غضب کی آئی۔ ارد گرد بے فکروں کے جمگھٹے رہنے لگے۔ ماں باپ کے لاڈلے تھے۔ تلاش معاش کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ اس لئے لہو و لعب میں ڈوب گئے۔ لوگ جیسی کھیل رہے ہیں تو یہ بھی برابر شریک۔ جوا ہو رہا ہے تو انہیں بھی داؤ لگانے کو حاضر ہیں۔ غرض شطرنج، گنجفہ، چوسر سبھی کھیل کھیلے۔ کبوتر بھی اڑائے۔ لال بھی لڑائے اور بٹیر بھی۔ لٹو بھی گھمائے۔ پیراکی بھی کی اور کنکوے سے بھی شوق رکھا۔ ایک مسدس میں محبوب سے مخاطب ہو کر ان کا ذکر تفصیل سے

کیا ہے اس میں سے چند مصرعے معنوی تسلسل حاضر ہیں۔

آگے بھی بھیس ہم نے بدلے کتنی باری — زنار باندھا، تشقہ کھینچا ہوا پجاری
جوگی بھی بن چکے، مندریں بھی سنوا دی — شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑکھڑایا
بانک، پٹا، بلم، گتکا، لٹھ پھرایا — پھر کتنے روز ہم نے بچہ بیٹے کا پالا
پنجرا، گلہری، طوطا، شکرا شکار والا — تصویر بیچنا بھی کتنے دنوں بچارا
کشتی میں ہم نے کتنی مدت بدن کو توڑا — جوڑے کبوتروں کے پھر کتنے دن اڑائے
کنکوے، جنگ، گڈی، تکل، پتنگ بنائے — پھر لال بھی لڑائے اور گل دمیں بھی پالیں

کیا کیا نہ ہم نے پیارے بہر دیپاں مچالیں

فارغ البالی نے ان کو آزاد بنا رکھا تھا۔ ہر صحبت اور سوسائٹی میں بے تکلف چلے جاتے تھے۔ میلے ٹھیلے اور ہر قسم کے تہواروں میں بلا تخصیص مذہب عملی حصہ لیتے تھے کوٹھوں کی بھی سیر کرتے رہتے تھے۔ اسی سیر کے نتیجے کے طور پر "موتی" اور "ہیرا" وغیرہ سے دل بھی لگایا۔ مگر یہ جوانی کی باتیں تھیں۔ انہوں نے جی کھول کر داد عیش دی۔ ادھیڑ عمر میں انہوں نے مسماۃ تہور النساء سے شادی کرلی۔ اور نوری دروازے اٹھ آئے۔ ایک قطعہ زمین متصل محل بیگم باندہ خرید لیا۔ اوسط درجے کا مکان بنوایا۔ اور تمام عمر اسی مکان میں رہتے رہے۔ ایاز اور امام بخش نوکر تھے۔ اور بخین، گلاب اور نجتا دو تین لونڈیاں تھیں

انہیں پڑھنے پڑھانے کا شوق تو تھا ہی۔ اس لئے فکر معاش ہوئی تو معلمی کا پیشہ اختیار کرلیا۔ پہلے قلعہ دار مرہٹہ بہاؤ نے آپ سے پڑھنا شروع کیا۔ پھر نواب محمد علی خاں جو امرائے آگرہ میں سے تھے۔ ان کے ہاں لڑکوں کو پڑھانے جانے لگے۔ پھر لالہ بلاس رائے کھتری نے اپنے بچوں کو آپ کے سپرد کیا اور آپ کی کفالت کا ذمہ لیا۔ ان کی بقیہ زندگی اسی طرح